ڈاکٹر صابر رضا رہبر،
پٹنہ

امداد امام اثر کی میر شناسی کا تنقیدی و تحقیقی جائزہ

ناقدین میر میں ایک اہم نام سید امداد امام اثر کا ہے، وہ اردو کے عظیم ناقد و محقق اور شاعر و ادیب گزرے ہیں ۔ ان کا شمار اردو تنقید کے بانیوں میں ہوتا ہے ۔ ان کی تصنیف کاشف الحقائق اردو تنقید میں میل کے پتھر کی حیثیت رکھتی ہے ۔ ان کی یہ کتاب کسی دیوان یا کلیات کا مقدمہ نہیں بلکہ باضابطہ تصنیف ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ متعدد ناقد و محققین نے مقدمہ شعر و شاعری کی جگہ کاشف الحقائق کو ہی اردو تنقید کی اولین کتاب قرار دیا ہے ۔ ان میں پروفیسر احتشام حسین بھی شامل ہیں ۔ محمد حسین آزاد کی آب حیات پہلی بار ۱۸۸۰ء میں شائع ہوئی ۔ الطاف حسین حالی کی کتاب ''مقدمۂ شعر و شاعری'' ۱۸۹۳ء میں اور امداد امام اثر کی کتاب 'کاشف الحقائق' پہلی بار ۱۸۹۷ء میں معرض وجود میں آئی جبکہ شبلی نعمانی کی کتاب 'موازنۂ انیس و دبیر' کی اشاعت ۱۹۰۶ء میں ہوئی ۔

کاشف الحقائق کو اردو تنقید کی پہلی کتاب تسلیم کرنے والوں کے بقول خواجہ الطاف حسین حالی کی کتاب 'مقدمۂ شعر و شاعری' کو اردو کی پہلی تنقیدی تصنیف اس لیے قرار نہیں دیا جا سکتا ہے کہ ۱۸۹۳ء میں جب یہ پہلی مرتبہ شائع ہوئی تو اس وقت اس کی حیثیت ایک خود مکتفی کتاب کی نہیں تھی بلکہ یہ ایک دوسری کتاب دیوانِ حالی کا حصہ تھی ۔ پروفیسر احتشام حسین کے مطابق :

> ''شعر و شاعری پر خواجہ الطاف حسین حالی کا مقدمہ ان کے دیوان کے ساتھ پہلی دفعہ ۱۸۹۳ء میں شائع ہوا ۔ اس کے بعد کسی طرح اسے ایک آزاد اور خود مکتفی تصنیف کی حیثیت حاصل ہوگئی اور وہ برابر دیوان سے الگ شائع ہونے لگا ۔ پڑھنے والوں نے بھی ہمیشہ اسے دیوان سے الگ ہی کر کے پڑھا ۔ یہاں تک (کہ) بہت سے لوگوں کے لیے وہ دیوان کا مقدمہ نہیں ایک باقاعدہ تنقیدی کتاب ہے ۔ جس کی بنیاد پر حالی کو اردو کا پہلا باقاعدہ نقاد تسلیم کیا جاتا ہے ۔ اسے اس کے اصل مقصد یعنی مقدمۂ دیوان کی حیثیت سے دیکھا جائے تو کہہ سکتے ہیں کہ اس کا ناقدانہ پہلو ایک ضمنی حیثیت رکھتا ہے ۔ اصلاً مقدمہ محض دیوان کا مقدمہ ہے اور اس کا مطالعہ اسی روشنی میں کرنا چاہیے ۔''

(عکس اور آئینے از احتشام حسین ۔ ص: ۱۴۷)

> ''حالی کا مقصد تنقید کی کتاب لکھنا تھا ہی نہیں ۔ وہ تو اپنی شاعری کے سمجھنے اور اس سے لطف اندوز ہونے کے لیے کچھ ضروری اشارے کر رہے تھے ۔''

(ایضاً۔ص:۱۴۸)

اسی طرح ناقد ڈاکٹر محمد خالد سیف اللہ نے بھی کاشف الحائق کو اردو تنقید کی باضابطہ پہلی تصنیف قرار دیا ہے۔ وہ رقم طراز ہیں: ''کاشف الحقائق اردو تنقید کی پہلی باقاعدہ تصنیف ہے۔''

(خدابخش لائبریری جرنل،شمارہ:۱۶۷)

پروفیسر احتشام حسین اور ڈاکٹر سیف اللہ کے نظریات سے اختلاف بھی کیا جائے تب بھی اس حقیقت سے فرار مشکل ہوگی کہ امداد امام اثر کی یہ کتاب اردو تنقید کی اوّلین کتابوں میں سے ایک ہے۔

امداد امام اثر نے اپنی تصنیف' کاشف الحقائق (۱۸۹۷ء) میں ولی سے لیکر غالب تک تقریبا تمام اہم شعرا پر اظہار خیال کیا ہے ان کے کلام کا تقابلی وہ تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ اثر باہرہ تھے اور معتقد میر تھے۔ انھوں نے اپنی کتاب میں میر کا تذکرہ تین جہتوں سے کیا ہے۔ (۱) غزل گوئی ،(۲) تضمین و تخمیس اور (۳) مثنوی۔ البتہ قطعہ، رباعی اور قصیدے کے ضمن میں ان کی توجہ میر پر مبذول نہ ہوسکی۔ انھوں نے میر کی غزل گوئی کو مثنوی پر فوقیت دی ہے جبکہ امرأالقیس کی قصیدہ نگاری پر بحث کرتے ہوئے موقع محل کی مناسبت سے میر کا ایک شعر نقل کیا ہے اور انھیں فن صید افگنی سے نابلد قرار دیتے ہوئے ان کی مثنوی اور قصیدہ گوئی کو لطف سخن سے بعید تر بتایا ہے۔ اس کی تفصیل اگلے سطور میں آئے گی۔

امداد امام اثر کی میر شناسی پر کچھ خامہ فرسائی سے قبل یہ بیان کرنا از حد ضروری ہے کہ غزل کے باب میں امداد امام اثر کا نظریہ کیا ہے۔ دراصل وہ غزل کے باب میں دبستان دہلی کی خارجیت پر فریفتہ نظر آتے ہیں جبکہ لکھنو کی داخلی رنگینی انہیں کچھ زیادہ نہیں بھاتی ہے۔ انھوں نے شاعری کے دو پہلو نکالے ہیں: ایک خارجی اور دوسرا داخلی۔ اسی کو ایک کسوٹی بنا کر تمام شعرا کے کلام کا تجزیہ کیا ہے۔ وہ شعرائے دہلی کے تعلق سے کچھ اس طرح اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں:

''یہ عجیب بات معلوم ہوتی ہے کہ دہلی کے حضرات متغزلین اکثر اپنی غزل سرائیوں میں شاعری کا داخلی پہلو ملحوظ رکھتے گئے ہیں۔ اس سبب سے ان کی غزل سرائیاں تقاضائے تغزل کے مطابق پائی جاتی ہیں۔ میر حسن، خواجہ میر درد، میر تقی میر، سودا، مومن، غالب یہ سب شعرائے متغزلین اپنی داخلی رنگ کے برتنے والے گذرے ہیں۔ البتہ ذوق پورے طور پر داخلی پہلو کے برتنے والے نہ تھے تو بھی وہ خارجی پہلو کی آمیزش داخلی پہلو کے ساتھ اس رنگ سے کر دیتے ہیں کہ ان کا کلام سیٹھے ہونے سے بچ جاتا ہے۔ برخلاف اس کے لکھنو کی غزل گوئی کا رنگ نظر آتا ہے۔ اس جگہ (لکھنو) کے اکثر شعرائے نامی غزل سرائی میں خارجی پہلو اختیار فرماتے ہیں۔ یعنی واردات قلبیہ اور امور ذہنیہ کی قید کے پابند نہیں رہے ہیں۔ بلکہ تقاضائے غزل گوئی کے خلاف خارجی مضامین کو اپنی غزل سرائیوں میں زیادہ جگہ دیتے گئے ہیں۔ اس جدت سے احاطہ غزل گوئی تو وسیع ہوگیا مگر غزل سرائی سے جو غزل متصور ہے فوت ہوگئی۔ ظاہراً اس صنف شاعری کی علت غائیہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ دل مضامین دردانگیز سے متاثر ومتالم ہو، طبیعت شوخی کلام سے مزا اٹھائے، جان کو سرمایہ سوز وگداز حاصل ہو، اخلاق قویٰ ترقی کر جائیں۔ پس ان جب باتوں سے کوئی بات حاصل نہیں ہوئی تو غزل سرائی سے کیا فائدہ۔''

(کاشف الحقائق جلد دوم:۴۰۸)

دوسرے مقام پر کچھ یوں خامہ فرسائی کرتے ہیں:

''خدا جانے سرزمین دہلی کی کیا تاثیر ہے کہ وہاں کے شعرائے متغزلین اکثر غزل سرائی کی دادخوب دیتے گئے ہیں۔ اس پُرتاثیری کا سبب یہی ہے کہ غزل سرائی میں واردات قلبیہ اورامور ذہنیہ کے مضامین حوالہ قلم کرتے گئے ہیں۔یعنی غزل سرائی میں شاعری کے خارجی پہلو سے کام لیتے ہیں۔ ہمیشہ شاعری کے داخلی پہلو کوملحوظ رکھا برخلاف اس کے استادان لکھنوغزل سرائی میں بیشتر شاعری کے خارجی پہلو سے کام لیتے رہے ہیں جس کے سبب ان کی غزل سرائی سے دل کو حسب مراد حظ نہیں اٹھتا ہے۔مرزا غالب فرمایا کرتے تھے کہ زبان اردو کواہل لکھنو نے درست کیا مگر مضمون آفرینی میں دہلی والوں کے برابر نہ ہوسکے۔مرزا غالب کا یہ قوم مضمون آفرینی کے اعتبار سے توصحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ ناسخ ،آتش اور ان استادوں کے شاگردوں نے مضمون آفرینی کا کوئی دقیقہ اٹھانہیں رکھا ہے۔مگر بات یہ ہے کہ لکھنو کے حضرات متغزلین دہلی کے حضرات کے برابر پُرتاثیر مضمون آفرینی نہ کرسکے۔ اس کا سبب یہی ہے کہ غزل سرائی میں حضرات لکھنو نے شاعری کے خارجی پہلو کوداخل کردیا۔ جوغزل سرائی کے تقاضے کے خلاف ہے۔پس یہ جدت مفیدغزل سرائی کیوں کر ہوتی۔''

(کاشف الحقائق جلد دوم: ۱۳۰۴)

مذکورہ بالا اقتباسات سے دو باتیں واضح ہوتی ہیں۔

اوّل: امداد امام اثر نے صنف غزل کے لیے دو پہلو متعین کئے ہیں۔ایک داخلی اور دوسرا خارجی

دوم: انھوں نے داخلیت وخارجیت کے میزان پر تولتے ہوئے اہل دہلی کی غزل سرائی کولکھنو کے شعرائے غزل پر فوقیت دی ہے۔

انھوں نے کاشف الحقائق میں غزل کے ضمن میں تمام شعرائے متغزلین کے کلام کا تجزیہ داخلی وخارجی پہلو کو پیمانہ بنا کر کیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے میر کی غزل گوئی کا جائزہ لیتے ہوئے انھیں 'سلطان المتغزلین' بتایا ہے۔ان کے پست اشعار کوترک کرنے اوران کے انتخابِ کلام کی بات بھی کہی ہے۔حالاں کہ وہ کلام میر کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے یہ تسلیم کرتے ہیں کہ میر کے کلام سے خوبصورت کلام زبانِ اردو میں کہیں نہیں ہے۔حتیٰ کہ ان کا چربہ کرنا بھی ناممکن ہے۔ان کی نظر میں میرتقی میر داخلیت کے شاعر ہیں اور یہ داخلی پہلو ان کے شعروں میں سوز وگداز، خستگی، نشتریت، رنگینی، ملاحت، شیرینی،شوخی وغیرہ کی کیفیتوں کا باعث بھی ہے۔ یہ چیزیں خواجہ میر درد کے کلام میں بھی ملتی ہے لیکن دل گرفتگی، محزونی اورنشتریت میر میں زیادہ ہے اورقوتِ شاعری میں بھی درد میر سے کم درجے پر ہیں۔اثر غزل سرائی میں میر کوواردات ِقلبیہ اورامور ِذہنیہ کا شاعر قرار دیتے ہیں جس کے سبب ان کی غزلوں میں دلآویزی پیدا ہوئی ہے۔اثر یہ بھی کہتے ہیں کہ میر کے سبھی معتقد ہیں لیکن ان کے تتبع میں ناسخ ، ذوق ، غالب ، آتش اورمومن بھی کامران نہیں ہوسکے۔سوائے خواجہ درد کے کسی ریختہ گوشاعر کومیر کے کلام کی ہوا تک نہیں لگی ہے۔انھوں نے میرتقی میر اورخواجہ درد کوایک دوسرے کا جواب قرار دیا ہے۔امداد امام اثر نے میر کی شاعری کا جائزہ لیتے ہوئے بقول پروفیسر خواجہ کرام 'سوائے داخلی پہلو کے اورکوئی نئی بات نہیں کہی لیکن جو کچھ کہا وہ حق بجانب کہا اور حالی سے زیادہ کہا۔''

میرتقی میر کی غزل گوئی کا جائزہ لیتے ہوئے اثر نے ان کی سوانحی کیفیت کے ذکر سے گریز کرتے ہوئے محض ان کی غزل گوئی کی تنقید وتجزیہ سے غرض رکھی ہے۔وہ میر کے تعلق سے رقم طراز ہیں:

''میر نام نامی آپ کا میر محمد تقی ہے لاریب میر صاحب اردو کے سلطان المتغز لین ہیں۔ اور استاد ناسخ کی عقیدت مندی ان کی جناب میں بے سبب نہ تھی۔ ع

آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں

میر صاحب کے چھ دیوان ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ان میں بہت اشعار ایسے ہیں کہ ترک کر دینے کے قابل ہیں، اس لیے کہ ان میں یا پست خیالی کا نقصان لاحق ہے یا ان کی شان اس قدر کم ہے کہ ان کو میر صاحب کے کلام ہونے کا رتبہ حاصل نہیں ہے۔ اس پر بھی اگر ان چھ دیوانوں سے انتخاب اشعار کیا جائے تو ایک نہایت حسب مراد دیوان مرتب ہوسکتا ہے۔ خیر راقم اب اپنے خیالات میر صاحب کے منتخب کلام کی نسبت ظاہر کرتا ہے اور وہ یہ ہیں کہ اگر میر صاحب کے منتخب کلام پر نگاہ ڈالتے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے کلام سے زیادہ خوب صورت کلام زبان اردو میں کہیں نہیں ہے اور حقیقت حال بھی یہی ہے کہ خواجہ میر درد کو مستثنیٰ کر کے کسی شاعر ریختہ گو کو آج تک ان کے کلام کی ہوا بھی نہیں لگی ہے۔ واقعی میر صاحب کچھ ایسا کہہ جاتے ہیں کہ ویسا کہنا تو در کنار کنار ان کے دو دو ایک مصراع (مصرعہ) کا چربہ بھی کسی سے نہیں ہوسکتا ہے۔ سارا دیوانِ ذوق یا ناسخ کا پڑھ ڈالئے ایک مصراع (مصرعہ) بھی کہیں نظر نہ آئے گا جس پر میر صاحب کے کلام کا دھوکہ ہو سکے۔ حالانکہ ناسخ یا ذوق کے استاد الاستاد ہونے میں کسی صحیح الحواس کو عذر نہیں ہوسکتا۔ اس حیرت افزا غزل سرائی کا سبب جو ڈھونڈتے تو صرف اتنی باتوں میں محدود پایا جاتا ہے کہ میر صاحب غزل سرائی میں کبھی واردات قلبیہ اور امور ذہنیہ کے احاطہ سے باہر قدم نہیں رکھتے ہیں اور ان کے وہی اشعار زیادہ دل آویز معلوم ہوتے ہیں جو زیادہ واردات قلبیہ سے متعلق معلوم ہوتے ہیں۔ میر صاحب کی غزل سرائی تمام تر شاعری کا داخلی پہلو رکھتی ہے۔ تب ہی تو ان کے کلام میں سوز و گداز، خستگی، نشتریت، رنگینی، ملاحت شیرینی، شوخی وغیرہ کی کیفیتیں بدرجہ کثیر پائی جاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ کیفیتیں ہیں جو دل کو بھاتی ہیں۔ جس شاعر کے کلام میں یہ کیفیتیں موجود ہوں گی کیوں کر اس کا کلام دل آویز اور دلکش نہ ہوگا۔ یہ صفتیں خواجہ میر درد کے کلام میں بھی موجود ہیں مگر بدانست فقیر خواجہ صاحب کے کلام میں میر صاحب کے کلام کے اعتبار سے خستگی کم ہے لیکن سوز و درد خواجہ صاحب کا میر صاحب سے بڑھا نظر آتا ہے۔ علاوہ اس کے پاکیزگی اور نفاست خواجہ صاحب کے کلام کی بہت قابل توجہ ہے۔ اسی طرح میر صاحب کے کلام میں دل گرفتگی، محزونی اور نشتریت خواجہ صاحب کے کلام سے زیادہ پائی جاتی ہے۔ خیر یہ سب کیفیات قلبی میں یہی دونوں حضرات ایک دوسرے کے جواب نظر آتے ہیں، مگر میر صاحب کو جو خواجہ صاحب پر غلبہ نظر آتا ہے وہ قوت شاعری کے اعتبار پر ہے کہ یہ قوت میر صاحب کو خواجہ صاحب سے زیادہ حاصل تھی۔ امر موازنہ سے علاوہ ہو کہ گذارش راقم میر صاحب کی غزل سرائی کی نسبت یہ ہے کہ ان کی سخن سنجی کا اندازہ ایسا ہے کہ کسی شاعر سے اس کا تتبع نہ ہوسکا بلکہ میر صاحب کے حسن کلام تک پہنچنے کی شعرا نے جس قدر کوششیں کیں اسی قدر انھیں پسپائی نصیب ہوئی۔ چنانچہ ذوق نے نہایت انصافانہ فرمایا ہے:

نہ ہوا پر نہ ہوا میر کا انداز نصیب
ذوق یاروں نے بہت زور غزل میں مارا

اسی ناکامیابی نے مختلف شعرا کو مختلف غزل سرائی کی راہیں سوجھائیں مگر کوئی موصل الی المطلوب نہ نکلی، ذوق، ناسخ، آتش نے جس قدر منزلیں طے کیں میر صاحب کی غزل سرائی کے دیار سے دور پڑتے گئے۔ مومن نے راہ راست اختیار کی بھی تو چند منزل چل کر رہ گئے۔ غالب کا بھی یہی حال ہوا کہ منزل راہ راست پر چل کر آخر کار انھیں راہ زنوں سے پالا پڑا اور منزل مقصود تک نہ پہنچ سکے۔ مختصر یہ کہ جہاں میر صاحب جا کر منزل گزیں ہوتے وہاں کوئی راہ رو نہ پہنچ سکا۔

(کاشف الحقائق جلد دوم: ۴۱۷-۴۱۶)

نمونے کے طور پر میر تقی میر کے متعدد غزلوں کے اشعار اور قطعہ نقل کرنے کے بعد اثر کچھ اس طرح نتیجہ اخذ کرتے ہیں:

''واضح ہو کہ اشعار بالا راقم نے نمونہ کے طور پر میر صاحب کے دیوان اول سے انتخاب کر لیے ہیں اس انتخاب سے یہ مطلب نہیں ہے کہ اس دیوان میں اس کے علاوہ اور اشعار انتخاب کے قابل نہیں ہیں۔ بہر حال اتنے اشعار میر صاحب کے انداز کلام کو دکھانے کے واسطے کافی ہیں۔ حضرات اہل قلم واقفیت سے مخفی نہیں ہے کہ اشعار بالا میں کیا کیا واردات قلبیہ اور امور ذہنیہ کی کیفیتیں شاعری کے پیرایہ میں بیان کی گئی ہیں۔ اور لطف بالائے لطف یہ ہے کہ یہ سب دشوار کیفیتیں جو مسائل علمیہ کا حکم رکھتی ہیں۔ ایسی آسان اور سلیس زبان میں بیان کی گئی ہیں کہ اس سے آسان اور سلیس تر زبان میں ان کا بیان کیا جانا ممکن نہ تھا۔ واقعی کیا کیا یا دشوار مضامین کو جو محض قلب و ذہن سے متعلق ہیں میر صاحب ایسی آسانی اور خوش اسلوبی کے ساتھ بیان فرما جاتے ہیں کہ عقل دنگ ہو جاتی ہے۔ ان کی سادگی زبان کا عالم فی الحقیقت نرالا ہے۔ بیان مضامین بیشتر تشبیہ استعارہ اور مبالغہ سے احتراز رکھتا ہے اور اگر کہیں ان صنعتوں کو دخل بھی دیتے ہیں تو اس خوبصورتی سے کہ آورد کی کیفیت مطلق ظاہر نہیں ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب شاعر سخن سنجی میں قاصر آتا ہے تب ہی تشبیہ استعارہ اور مبالغہ سے اپنے کلام میں اعانت لیتا ہے۔ ورنہ منقح، خوش اسلوب، پرتاثیر، دلفریب جاں فزا، روح پرور، نیچرل مضمون زینہار ایسی ایسی ترکیبوں کا محتاج نہیں ہوتا۔ چنانچہ بہت سے گیت دُہرے (دوہے) وغیرہ ایسے ہیں کہ تمام تر تشبیہ استعارہ اور مبالغہ سے پاک ہیں مگر ان کے مضامین کی عمدگی ایسی ہے کہ بے اختیار دل پر عجب بامراد تاثیر پیدا کرتی ہے۔''

(کاشف الحقائق جلد دوم: ۴۲۳)

مذکورہ بالا اقتباس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ امداد امام اثر میر تقی میر کی غزل سرائی کے نہ صرف شیدائی ہیں بلکہ ان کے کلام میں سادگی، آسانی و خوش اسلوبی، واردات قلبیہ اور امور ذہنیہ کی کیفیتوں کے مرید بھی ہیں۔ انھوں نے میر کی غزلوں کے بیشتر مضامین کو تشبیہ، استعارہ اور مبالغہ سے مبرا بتایا ہے اور اگر کہیں میر کے کلام میں یہ صنعتیں در بھی آئی ہیں تو وہ بھی اس خوبصورتی سے کہ اس میں آورد کی کیفیت ظاہر نہیں ہوتی۔ دشوار اور مشکل ترین مضامین کو بھی غزل میں سہل ترین انداز میں باندھنے پر جناب اثر؛ میر کو نہ صرف داد دیتے ہیں بلکہ کہتے ہیں کہ اس پر 'عقل دنگ' رہ جاتی ہے۔

میر کی غزلوں میں سادگی، سوز و گداز اور آسان اور سلیس زبان کا جادو اثر کے سر چڑھ کر بول رہا ہے۔ انھوں نے اسے میر کی انفرادیت بتاتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ ان کی غزل گوئی کا تتبع مشکل ہے۔ ناسخ، ذوق اور آتش نے غزل گوئی میں میر کے تتبع کی جتنی کوششیں کیں اتنی ہی دور ہوتے گئے جبکہ مومن اور غالب بھی میر کی ڈگر پر محض چند قدم چل کر ہی رک گئے اور انھیں منزل نصیب نہ ہو سکی۔ یہی نہیں اثر نے غزل سرائی کے باب میں میر تقی میر کو سودا جیسے استادالشعرا پر بھی فوقیت دی ہے۔ سودا کی شاعری میں خارجی مضامین کی رنگا رنگی اور داخلی رنگ کے پھیکے پن کے سبب انھیں میر سے کم درجہ کا شاعر قرار دیا ہے جبکہ خارجی بندش کے معاملے میں وہ سودا کو میر پر ترجیح دیتے نظر آتے ہیں۔ وہ رقم طراز ہیں:

''مضامین داخلی اور خارجی دونوں کی بندش پر انھیں (سودا) اچھی طرح قدرت حاصل تھی۔اس لیے تمام اصناف شاعری میں ان کا کلام عجیب جلوہ دکھارہا ہے۔اگر انھیں داخلی شاعری کچھ اور بھی قدرت ہوتی تو غزل گوئی میں میرؔ کے ہمسر مانا جاتے۔یوں تو اور اصناف شاعری میں وہ میر سے بہت بڑھے ہوئے تھے۔میر صاحب کو خارجی شاعری کی بہت کم قوت حاصل تھی بلکہ سودا کے مقابلے میں کچھ نہ تھی۔''۔۔۔۔۔''شاعری کے دو پہلو ہیں ایک خارجی اور دوسرا داخلی، خارجی پہلو کو مرزا صاحب ایسا برتتے ہیں کہ زبان اردو میں سوائے میر انیس کے کوئی ان کا جواب نہیں ہے مگر داخلی پہلو پر ان کو ویسی قدرت حاصل نہ تھی جس کے سبب وہ میر تقی صاحب میر سے غزل سرائی میں پیچھے نظر آتے ہیں''

کاشف الحقائق ص:۴۱۰)

''یہاں پر چوں کہ غزل سرائی کی بحث پیش ہے اس لیے ان کی غزل سرائی کے مادہ میں عرض کرنا کافی ہوگا کہ ہر چند وہ (سودا) اس صنف شاعری (غزل) میں میرؔ صاحب کے برابر نہیں ہیں اس پر بھی وہ اس صنف شاعری کے بھی بڑے استاد ہیں۔''

(کاشف الحقائق جلد دوم ص:۴۱۱)

انھوں نے سوز و گداز، خستگی، درد، شوخی، نازک خیالی، بلند پردازی اور رنگینی کے ساتھ زورِ طبیعت کے خوبصورت اظہار کے ضمن میں بھی میر کو ان کا جواب بتایا ہے اور کہا ہے کہ اگر تھوڑی اور خستگی بھی سودا کے کلام میں ہو جاتی تو ان کا کلام بھی میر کے مساوی ہو جاتا ہے۔اثر لکھتے ہیں:

''غزل سرائی اس اعلا درجے کی ہے کہ سوا میرؔ اور دردؔ کے ان کا جواب کوئی نظر نہیں آتا ہے۔اگر تھوڑی خستگی اور بھی سودا کے کلام میں ہوتی تو ان کا کلام میرؔ اور دردؔ کے برابر ہو جاتا۔''

(کاشف الحقائق جلد دوم ص:۴۱۲)

شاعری میں سوز و گداز کے معاملے میں امداد امام اثر نے خواجہ میر درد کی شاعر کا جائزہ لیتے ہوئے میر تقی میر کو ان کا ہم پلہ و ہم جواب قرار دیا ہے۔وہ لکھتے ہیں: سوز و گداز میں ان کے جواب یا میر تھے یا آپ اپنے جواب تھے۔واردات قلبیہ کے مضامین ایسے باندھتے تھے کہ سودا ان تک نہ پہنچے تھے۔''

''اگر میر صاحب کے دواوین سے انتخاب کیے جائیں تو خواجہ صاحب کے دیوان سے ان کے منتخب کلام کا حجم بہت زیادہ نہ ہوگا۔''

خواجہ صاحب (درد) کی غزل سرائی تمام تر اس صنف شاعری کے تقاضوں کے مطابق پائی جاتی ہے علاوہ سوز و گداز، درد، خستگی، علو معانی اور سمو مضامین کے نظم کی شستگی راقم کی دانست میں میر صاحب کے کلام سے زیادہ بڑھی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔۔۔۔۔۔المختصر غزل سرائی کے اعتبار سے ایک بڑے شاعر تھے۔اور ان کا نظیر سوائے میر کے کوئی دوسرا نہیں ہو دیکھا جاتا۔''

(کاشف الحقائق جلد دوم ص:۴۱۴)

اثر کے اس خیال سے ناقد وہاب اشرفی متفق نظر نہیں آتے ہیں۔ان کا کہنا ہے:

''ان کا (امداد امام اثر) کا خیال ہے کہ غزل سرائی کے اعتبار سے خواجہ میر درد ایک بڑے شاعر تھے اور ان کا نظیر سوائے میر تقی میر کے کوئی

دوسرا نہیں۔ میر تقی میر کو اثر سلطان المتغز لین مانتے ہیں۔ یہ حیرت انگیز ہے کہ اثر میر تقی میر پر بھرپور تنقید بھی کرتے ہیں۔ وہ ان کے چھ دیوانوں کا تذکرہ کرتے ہیں اور ان کے بعد لکھتے ہیں کہ ان میں بہت سے اشعار ایسے ہیں کہ ترک کر دینے کے قابل ہیں پست خیالی کے باعث بھی اور کم رتبہ ہونے کے باعث بھی لیکن وہ اس طرف اشارہ بھی کرتے ہیں کہ میر تقی میر کا منتخب کلام ہی ذہن میں رکھنا چاہئے۔ انھوں نے ان کی غزلوں کے ذکر میں خواجہ میر درد کا بھی تذکرہ کیا ہے اور ان نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ درد کے کلام میں میر کے کلام کے اعتبار سے خستگی کم ہے لیکن سوز اور درد خواجہ کا میر سے بڑھا نظر آتا ہے۔ میرے خیال میں یہ رائے وزنی نہیں معلوم ہوتی۔ درد اور نشتریت کے اعتبار سے بھی آج کوئی نہیں یہ کہتا کہ درد کا کلام میر سے افضل ہے۔ لیکن حیرت انگیز امر یہ ہے کہ اثر خود اپنے بیان میں تضاد کے شکار ہو گئے ہیں۔

''میر صاحب کے کلام میں دل گرفتگی، محزونی اور نشتریت خواجہ صاحب کے کلام سے زیادہ ہے۔

(کاشف الحقائق، ص:۱۰۰)

اثر نے دلی کی ویرانی کے بعد لکھنو کی ہزار ادبی شادابی و ترقی کے باوجود میر کی غزل سرائی پر فوقیت سے انکار کیا ہے۔ یعنی وہ یہاں بھی میر کی عظمت کا اعتراف کرتے ہیں۔ وہ رقم طراز ہیں:

'اس سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا کہ شعرائے لکھنو نے غزل سرائی کی ترقی کو ہمیشہ ملحوظ رکھا۔ چنانچہ ناسخ نے نہ صرف اردو کو اپنے کلام معجز نظام سے ایک شستہ پاکیزہ اور باقاعدہ زبان بنا ڈالا بلکہ اردو لٹریچر کو بھی دولت عالی خیالی سے مالا مال کر دیا۔ فی الواقع جیسی ترقی اردو کو ناسخ کی بدولت نصیب ہوئی ہے ویسے کسی دوسرے شاعر کی بدولت ظہور میں نہیں آئی۔ بیشک اردو پر ناسخ کا بڑا احسان ہے۔ اگر ناسخ نہ ہوتے تو جیسی لکھنو کی زبان نفیس و فصیح، شستہ اور پاکیزہ ہو رہی ہے یہ خوبیاں اس کو نصیب نہ ہوتیں۔ اس زبان کا منظوم لٹریچر بھی شیخ کی توجہ فرمائی کا بہت ممنون ہے۔ اگر ناسخ نہ ہوتے تو اردو میں کوئی شاعر مرزا صاحب کا جواب نہ نکلتا۔ لیکن زبان اور لٹریچر کی ترقیوں کے ساتھ لکھنو میں اردو کے نفس غزل گوئی کو فائدہ حاصل نہ ہوتا۔ کس واسطے کہ ان سب ترقیوں سے میر کی غزل سرائی پر ترقی کی کوئی صورت پیدا نہ ہوسکی۔ حقیقت یہ ہے کہ میر کی غزل سرائی اپنے حال پر رہ گئی۔''

(ص: کاشف الحقائق جلد دوم:۰۹۔۴۰۸)

اثر نے غزلیات کے باب میں جن شعرائے متغزلین کے کلام کا جائزہ لیا ہے تقریباً تمام کے کلام پر اپنی گراں قدر رائے کا اظہار کرتے ہوئے میر تقی میر اور درد کی غزل سرائی کی مختلف فنی و شعری خوبیوں کے لحاظ سے موازانہ و مقابلہ بھی کیا ہے۔ اس دوران وہ عجب مخمصے میں نظر آتے ہیں کہیں وہ میرؔ کو کسی سے کم تر دکھاتے ہیں اور فوراً ہی کسی خوبی کا ذکر کرتے ہیں اور میرؔ کی بلند قدری و رفعت سخنوری کا اعتراف بھی کر جاتے ہیں۔ ناقد وہاب اشرفی کے لفظوں میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ میرؔ کے باب میں تضاد کے شکار ہو جاتے ہیں۔ غالب کی غزلوں کا تجزیہ کرتے ہوئے انھوں نے میر کو کئی مقامات پر زیر بحث لایا ہے۔ ملاحظہ کریں:

''حقیقت یہ ہے کہ غالب کی غزل سرائی میں میر کی جھلک نمایاں ہے۔ لاریب واردات قلبیہ اور امور ذہنیہ کے مضامین غالب قریب قریب میر صاحب کے پر تاثیری کے ساتھ باندھ جاتے ہیں مگر حالت یہ ہے کہ ان کے مختصر دیوان میں بہت کم شعر ہیں جو میر صاحب کی سادگی کلام کا لطف

دکھاتے ہیں۔زیادہ حصہ ان کے کلام کا استعارات سے بھرا ہوا ہے۔''

(کاشف الحقائق جلد دوم:۵۴۳ء)

''واقعی جو سوز، گداز، خستگی، درد، برجستگی، نشتریت، بلند پروازی، نازک خیالی، تمکنت، متانت، جلالت، تہذیب، شوخی غالب کے کلام میں ہے، باستثنائے درد، میر کسی استاد کے کلام میں نہیں پائی جاتی ہے۔نشتریت تو ایسے غضب کی ہے کہ میر صاحب کلام میں بھی اس سے زیادہ نہ ہوگی۔''

(کاشف الحقائق جلد دوم:۵۴۳ء)

''ان میں (غالب کی پیش کردہ غزلوں میں) میر صاحب کے کلام کی سادگی نہیں ہے تو بھی اس میں غزلیت کا ایسا لطف ہے کہ کمتر استادوں کے کلام میں دیکھا جاتا ہے۔''

(کاشف الحقائق جلد دوم:۵۴۳ء)

مذکورہ بالا اقتباس میں امداد امام اثر خود تضاد کا شکار نظر آتے ہیں۔ایک طرف تو غالب کی غزل سرائی میں تمام فنی خوبیوں کو شمار کراتے ہیں اور کہتے ہیں یہ خوبی درد اور میر کے علاوہ کسی کے یہاں نہیں ہے اور چند سطور بعد ہی نشتریت کے معاملے میں غالب کو میر پر فوقیت دے جاتے ہیں پھر سادگی کے ضمن میں غالب پر میر کی بالا دستی تسلیم کرتے ہیں۔انھوں نے مرزا غالب کی غزل گوئی کو نقائص سے 'بہت کچھ پاک' قرار دیا ہے۔ حالاں کہ انھوں نے کھلے طور پر یہ اعتراف کیا ہے کہ غالب صنف غزل گوئی میں درد اور میر کی شاعری تک نہیں پہنچ سکے۔انھوں نے درد اور میر کے بعد انھیں صنف شاعری میں استاد کا درجہ دیا ہے۔

''حقیقت یہ ہے کہ استاد غالب اردو میں بڑے شاعر گذرے ہیں۔یوں تو بے عیب خدا کی ذات ہے مگر اس پر بھی ان کی غزل سرائی معائب غزل سرائی سے بہت کچھ پاک ہے۔لا ریب ان کی غزل سرائی قریب قریب غزل سرائی کے تقاضوں کے موافق ہے۔اگر غالب، درد یا میر تک اس صنف شاعری میں نہیں پہنچتے ہیں تو ان دونوں استادوں کے بعد انہیں کا درجہ ہے۔''

(کاشف الحقائق جلد دوم:۴۴۳ء)

غزل میں پُرتاثیری کے بیان میں بھی اثر نے خواجہ میر درد اور میر تقی میر کی عظمت کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے کہا ہے کہ ''غالب کی نسبت بھی فقیر کا یہی عقیدہ ہے کہ ان کے کلام میں تاثیر عجب رنگ ڈھنگ رکھتی ہے۔''

امداد امام اثر نے تضمین میں بھی 'میر تقی میر کی غزل کی تخمیس' کے زیر عنوان میر کو یاد کیا ہے۔تخمیس کے تحت انھوں نے بلا کسی نقد و نظر کے میر کی ایک غزل پر امانت کی تضمین کا ذکر کیا ہے۔

مطلع

میری وحشت کا جو کچھ حال سنا میرے بعد
ہو گیا جوش جنوں حد سے سوا میرے بعد
سونا جنگل جو نظر اس کو پڑا میرے بعد

آ کے سجادہ نشیں قیس ہوا میرے بعد
نہ رہی دشت میں خالی مری جا میرے بعد

مقطع

مر گیا جبکہ امانت تو پھری کچھ تقدیر
غم ہوا اس کو بہت ہوگئی حالت تغیر
جیتے جی تو نہ خبر لی نہ ذرا کی تدبیر
بعد مرنے کے مری قبر پر آیا وہ میر
یاد آئی مرے عیسیٰ کو دوا مرے بعد

یہاں تعجب خیز امر یہ ہے کہ اثر نے میر کی جس غزل پر امانت کی تضمین کا ذکر کیا ہے وہ میر کی غزل ہے ہی نہیں بلکہ وہ محمد منور خاں غافل لکھنوی کی غزل ہے جو ان کے دیوان میں شامل ہے۔ دراصل حکیم نجم الغنی نجمی رام پوری کی کتاب 'بحر الفصاحت' میں یہ غزل میر کے نام سے درج ہے۔ یہ کتاب پہلی بار (۱۸۸۵) میں شائع ہوئی تھی۔ دوسری دلیل معروف ڈراما نگار اندر سبھا کے خالق امانت لکھنوی کی ایک مخمس کی دی جاتی ہے جو انھوں نے میر تقی میر کی زمین کہہ کر لکھی اور اپنے شعری مجموعہ ''گل دستہ ء امانت'' میں صفحہ سات پر درج کی ہے۔

آ کے سجادہ نشیں قیس ہوا میرے بعد
نہ رہی دشت میں خالی مری جا میرے بعد

جبکہ مقطع کا شعر کچھ اس طرح ہے:

بعد مرنے کے مری قبر پر آیا وہ میرؔ
یاد آئی مرے عیسیٰ کو دوا مرے بعد

دراصل مقطع میں غافلؔ کی جگہ کسی سبب میر کا تخلص جڑ گیا ہے۔ یہی نہیں اس ردیف کے تحت درج غزل میں کچھ اشعار مرزا تقی خاں ہوس لکھنوی کی غزل کے بھی شامل کر دیے گئے ہیں یعنی لاشعوری طور پر اس میں غافل اور ہوس کی غزلوں کے اشعار شامل ہو گئے ہیں۔ ڈاکٹر یوسف حسین خان نے اپنی کتاب 'اردو غزل' (مطبوعہ معارف پریس اعظم گڑھ) میں یہ غزل محمد منور خاں غافل لکھنوی کے نام سے نقل کیا ہے۔

اثر جیسے عظیم ناقد و محقق اور شاعر سے اس تسامح کی امید نہیں کی جا سکتی۔ امکان غالب ہے کہ ان کے سامنے میر کے دیوان کا وہی نسخہ رہا ہو جو فورٹ ولیم کالج سے چھپی ہے یا پھر صرف تحریف و ترمیم شدہ یہی تضمین ان کے ہاتھ لگی ہو جس میں اصل شاعر کے تخلص کی جگہ میر کا تخلص مستعمل ہو۔ بہر حال اثر واحد شخص نہیں ہیں جو غچہ کھا گئے بلکہ ناصر کاظمی تو دو قدم مزید آگے بڑھ گئے ہیں۔ انھوں نے رسالہ سویرا لاہور کے شمارہ نمبر ۱۹، ۲۰/ اور ۲۱/ میں شائع اپنے ایک مضمون میں غافل کی زمین پر کہی گئی ہوس لکھنوی کی غزل کے اشعار کو بھی میر کی طرف منسوب کر دیا۔

اس تعلق سے دیوان میر نسخہ محمود آباد مخطوطہ ۱۲۰۳ھ بحیات میر، ترتیب و تدوین ڈاکٹر اکبر حیدری مطبوعہ جموں اینڈ کشمیر اکیڈیمی آف آرٹ کلچر اینڈ لنگو یجز سری نگر میں صاحب مقدمہ نگار نے ایک عنوان الحاقی کلام کا باندھا ہے اس کے تحت میر کی طرف منسوب اشعار اور غزلوں کی حوالوں کے ساتھ نشاندہی کی ہے۔

وہ صفحہ ۵۷۷ پر الحاقی کلام واشعار کا ذکر تے ہوئے حاشیے میں اصل شاعر کی نشاندہی کی ہے۔

آ کے سجادہ نشیں قیس ہوا میرے بعد
نہ رہی دشت میں خالی کوئی جا میرے بعد
تیز رکھیو سر ہر خار کو اے دشت جنوں
شاید آ جائے کوئی آبلہ پا میرے بعد
منہ پہ رکھ دامن گل روئیں گے مرغان چمن
ہر روش خاک اڑائے گی صبا میرے بعد
وہ ہوا خواہ چمن ہوں کہ چمن میں ہر صبح
پہلے میں جاتا تھا اور باد صبا میرے بعد

پہلے شعر کے تعلق سے صاحب مقدمہ نگار حاشیے میں رقم طراز ہیں:

یہ شعر ڈاکٹر یوسف حسین نے اپنی کتاب 'اردو غزل' میں ایک جگہ میر کے نام اور دوسری جگہ غافل لکھنوی کے نام منسوب کی ہے۔ ناصر کاظمی نے اپنے ایک مضمون مطبوعہ سویرا لاہور نمبر ۱۹، ۲۰، اور ۲۱ میں میر کے نام لکھا ہے۔ حالاں کہ یہ غزل غافل کی ہی ہے اور ان کے دیوان میں موجود ہے۔ واضح رہے کہ راقم نے ڈاکٹر یوسف حسین کی کتاب اردو غزل میں جب یہ غزل ڈھونڈنے کی کوشش کی، تو اسے منور خاں غافل کے نام ہی منسوب پایا۔ میر کی جن غزلوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں 'د' ردیف کے تحت کوئی شعر یا کلام موجود نہیں ہے۔ یہاں محمد منور خاں غافل لکھنوی کی غزل کا دو شعر درج ہے:

آ کے سجادہ نشیں قیس ہوا میرے بعد
نہ رہی دشت میں خالی کوئی جا میرے بعد
گرمی بازاری الفت ہے مجھی سے ورنہ
کوئی لینے کا نہیں نام وفا میرے بعد

مظفر علی سید نے ماہِ نو مئی ۱۹۵۲ء میں شائع اپنے مقالے میں اسے میر کی غزل ثابت کرنے کی کوشش کی اور اسے دیوانِ غافل میں موجود ہونے کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ چونکہ ان کا دیوان ان کی وفات کے بعد شائع ہوا ہے اس لیے دوسرے شعرا کا کلام بھی غلطی سے شامل کر لیا گیا۔ مظفر علی سید نے یہ بھی لکھا: ''غزل کا مزاج بتا رہا ہے یہ میر کی ہے''۔ ماہِ نو جنوری ۱۹۵۳ء کے شمارے میں عطا کاکوی کا ایک مضمون شائع ہوا جس میں انھوں نے دلائل کے ساتھ مظفر علی سید کے دعویٰ کا رد کیا۔ عطا کاکوی امانت لکھنوی کی مخمس بر غزل میر تقی سے متعلق لکھتے ہیں ''میاں امانت یا کاتب کے خیال میں شخصیت تو مرزا تقی کی تھی لیکن تحت الشعور میں میر ہی بسے ہوئے تھے۔ اس لیے عنوان تو رکھا مخمس سوم بر غزل تقی صاحب مگر مقطع میں میر داخل ہو گئے۔ لفظ صاحب دلالت کر رہا ہے کہ امانت کے ذہن میں تقی ہوس تھے جو اس وقت زندہ تھے''۔

لطف کی بات یہ ہے کہ امانت لکھنوی کی تضمین میں مرزا تقی ہوس لکھنوی کی غزل کے دو اشعار شامل ہو گئے ہیں۔ ان کے کلام کا انتخاب کلام

ہوس میں شامل ہے جس کا مطلع اور مقطع پیش ہے:

بے کسی ہی نے نہ دنیا کو تجا میرے بعد
غم بھی مرقد پہ مرے بیٹھ رہا میرے بعد
اٹھ گیا میں جو جہانِ گزراں سے تو ہوس
خاک چھانے گی بہت بادِ صبا میرے بعد

سعادت خان ناصر نے اپنے تذکرہ ''خوش معرکہ زیبا'' (صفحہ ۴/۴۵۶) میں بھی ہوس کی اس غزل کے تین شعر نقل کیے ہیں جبکہ مصحفی نے بھی اپنے تذکرہ میں اس غزل کو شامل کیا ہے ۔ہمیں لگتا ہے کہ امداد امام اثر نے اس تخمیس کو میر کی طرف نسبت کرنے کے لیے امانت لکھنوی پر بھروسہ جتایا ہوگا کہ وہ لکھنو کے باسی اور مستند ادیب وڈراما نگار ہیں۔'مخمس سیوم برغزل میر تقی صاحب' کے عنوان سے امانت کی یہ مخمس گلدستہ امانت کے صفحہ سات پر درج ہے۔ ہاں کلیات میر میں 'د' ردیف کے تحت میر کی ایک غزل شامل ہے۔ یہاں اس کا مطلع اور مقطع کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

آوے گی میری قبر سے آواز میرے بعد
ابھریں گے عشق دل سے ترے راز میرے بعد
بیٹھا ہوں میرؔ مرنے کو اپنے مستعد
پیدا نہ ہوں گے مجھ سے بھی جانباز میرے بعد

حیرت اس بات پر ہے کہ ناقد و محقق وہاب اشرفی نے بھی اپنی کتاب 'کاشف الحقائق: ایک مطالعہ' میں اس تخمیس کے تعلق سے خاموشی برتی اور کوئی وضاحت نہیں پیش کی۔

امداد امام اثر نے 'عرب کی شاعری قبل و بعد بعثت صلعم' کے تحت تذکرہ شعرائے عرب کے ضمن میں امرأالقیس کے قصیدہ کی خوبیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے موقع کی مناسبت سے میر تقی میر کا مندرجہ ذیل شعر نقل کیا ہے۔

جہاں آگے بہاریں ہوگئی ہیں
وہاں اب خارزاریں ہوگئی ہیں

اثر کہتے ہیں کہ '' لطف گذشتہ کے مضمون کو میر تر تقی میر صاحب نے بھی خوب باندھا ہے ۔ یہ دو مصرعے بہت کچھ واردات قلبیہ کی خبر دیتے ہیں اور توحش و اندوہ پیدا کرنے کے لیے قوی آلے ہیں۔''

(کاشف الحقائق ص: ۱۸۴/)

امرأالقیس کے عربی شعر

فالحقنا یا الهادیا تو دونه
جوارحها فی صرة لم تزیّل

پر تبصرہ کے دوران اثر نے امرأالقیس کی نہ صرف فن صید افگنی سے پوری واقفیت بلکہ مذاقاً بھی شکار افگنی کا اعتراف کیا ہے اور شعرائے

اردو سے مقابلہ کرتے ہوئے میر تقی اور مرزا سودا کے شکار سے متعلق منثوی پر کچھ یوں خامہ فرسائی کرتے ہیں:

''شکار کی مثنویاں جو مدح آصف الدولہ وغیرہ میر و مرزا نے بھی لکھی ہیں غایت بے سروپائی سے خبر دیتی ہیں مگر ان حضرات کی طرف سے یہ معذرت کی جاسکتی ہے کہ ایسی مثنویاں شاعری کی غرض سے نہیں لکھی گئی تھیں ان سے والیاں ملک کو خوش کرنا منظور تھا۔''

کاشف الحقائق: ۲۲۴۔۲۲۵ر)

اثر نے میر تقی میر کے فن شکار سے عدم واقفیت کے سبب آصف الدولہ کی شان میں لکھی منثوی کو ایک اور مقام پر ہدف تنقید بنایا ہے۔ وہ رقم طراز ہیں:

''واضح ہو کہ منجملہ بزمی منثویات کے میر صاحب نے ایک مثنوی لکھی ہے کہ جس میں نواب آصف الدولہ کی شکار افگنی کے حالات رقم فرماتے ہیں۔ یہ مثنوی ان حضرات کی جو فن صید افگنی کے ماہر ہیں کسی طرح لذت بخش نہیں ہوسکتی ہے۔ صبا نے بھی ایک ایسی مثنوی لکھی ہے وہ بھی مذاق صحیح نہیں رکھتے۔ حقیقت یہ ہے کہ نہ میر نہ صبا دو میں کوئی صاحب بھی علم صید سے واقف نہ تھے۔ پس ان کی اس قسم کی مثنویاں کیا لطف سخن پیدا کرسکتی ہیں۔ ان دونوں استادوں کی شکاری مثنویاں غایت صید افگنی سے مطلق خبر نہیں دیتی ہیں اور نہ ان سے کسی علمی مسئلہ کی تحقیق ظہور میں آتی ہے۔ اگر صید افگنی سے مجرد شیر و شغال کی جان لینی مراد ہے تو یہ مثنویاں خوب ہیں۔''

(کاشف الحقائق جلد دوم: ص ۵۸۳۔۵۸۲)

اثر نے قصیدہ، قطعہ اور رباعی کے ابواب میں میر تقی میر سے قبل اور مابعد کے شعرا کا ذکر کیا ہے مگر وہ یہاں میر کے قصیدہ، قطعہ اور رباعی کے تعلق سے خاموش نظر آتے ہیں۔

فن مثنوی کے باب میں امداد امام اثر نے 'میر تقی میر بہ حیثیت مثنوی نگار' کا عنوان قائم کر کے ان کی منثوی نگاری پر جامع تبصرہ کیا ہے۔ انھوں نے میر کی عشقیہ مثنویوں دریائے عشق، شعلہ عشق اور ساقی نامہ کے اشعار درج کر کے میر کی مثنوی کو غزل گوئی سے کم تر قرار دیا ہے اور ان کی مثنوی نگاری پر غزل گوئی کی چھاپ پڑنے کی بات کہی ہے۔ دراصل وہ فضا بندی کے باب میں میر کی عظمت کے قائل نظر نہیں آتے ہیں۔ انھوں نے میر کی مثنوی ساقی نامہ پر ظہوری کے ساقی نامہ کو نہ صرف فوقیت دی ہے بلکہ ظہوری کی مثنوی کے مقام تک بھی نہیں پہنچنے کا قول کیا ہے۔ وہ رقم طراز ہیں:

''میر تقی میر لاریب سلطان المتغزلین تھے۔ مگر حضرت کی مثنوی نگاری سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو درجہ غزل سرائی میں حاصل ہے وہ مثنوری نگاری میں نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کو صرف مضامین داخلی کی بندش کی بڑی قابلیت حاصل تھی لیکن مثنوی نگاری کی وہی شاعر داد دے سکتا ہے جو مضامین خارجی کی بندش پر بھی پوری قدرت رکھتا ہے۔ یہ قدرت آپ کو بہت حاصل نہ تھی۔ اس لیے آپ کی مثنویاں تمام تر داخلی پہلو کی شاعری سے خبر دیتی ہے۔ درحقیقت آپ کی مثنوی نگاری بھی مضامین کے اعتبار سے ایک قسم کی غزل سرائی نظر آتی ہے۔ آپ کی مثنویوں میں خارجی مضامین گویا ندارد ہیں۔ کہیں آپ صحرا جنگل و جبال بحور خزاں، بہار، برق، باراں، سرما، گرما،

طیور، وحوش، آب وسراب وغیرہ وغیرہ کے خوش آئند مضامین کو بیان نہیں فرماتے ہیں۔اس پر بھی جس قدر آپ کی مثنویاں ہیں قابل توجہ ہیں۔کس واسطے کہ روحانی اور قلبی معاملات کے بیانات سے مملو ہیں، جتنی عاشقانہ کیفیتیں آپ نے تحریر فرمائی ہیں، اکثر بے حیائی کی ذلتوں سے بری دکھائی دیتی ہیں۔کمتر کوئی جز وتصنیف ایسا ہے کہ تہذیب کی آنکھیں اسے دیکھ کر شرم اٹھائیں''

(کاشف الحقائق جلد دوم ص ۵۸۰/)

میر تقی میر کی مثنوی ساقی نامہ کے منتخب اشعار نقل کرنے کے بعد اثر کچھ اس طرح اپنی حتمی رائے کا اظہار کرتے ہیں کہ ''ہر چند میر صاحب نے اچھا لطف سخن دکھایا ہے مگر ظہوری کے ساقی نامہ کو نہیں پہنچتے ہیں۔''

مثنوی اور قصیدہ کے باب میں امداد امام اثر بھلے ہی میر کی رفعت کلامی کا اعتراف نہ کریں مگر غزالی سرائی کے میدان وہ میر تقی میر کی عظمت کے سامنے نہ صرف سر تسلیم خم کرتے ہیں بلکہ سودا، ناسخ، ذوق اور آتش جیسے استاد الشعرا پر فوقیت دیتے ہیں۔میر کے سلسلے میں وہ کئی مقامات پر تضادات کا شکار بھی ہوئے ہیں۔وہ ایک طرف میر کو سلطان المتغز لین کہتے ہیں تو دوسری جانب ان کے پست اشعار کو ترک کرنے اور ان کے انتخابِ کلام کا مشورہ بھی دیتے ہیں۔وہ یہ بھی اقرار کرتے ہیں کہ میر سے خوبصورت کلام زبانِ اردو میں کہیں نہیں ہے یہاں تک کہ میر کے طرز تغزل کی تقلید وتتبع بھی ناممکن ہے۔ان کا کہنا ہے کہ میر کے کلام میں وارداتِ قلبیہ اور امورِ ذہنیہ کے باعث دلآویزی پیدا ہوئی ہے۔انھوں نے میر کو داخلیت کا شاعر قرار دیتے ہوئے ان کے شعروں میں سوز وگداز، خستگی، نشتریت، رنگینی، ملاحت، شیرینی، شوخی کو کیفیتوں کا سبب گردانتے ہیں جبکہ دل گرفتگی، محزونی اور نشتریت کے معاملے میں درد پر میر تقی میر کی عظمت تسلیم کرتے ہیں۔ان کے بقول میر کے سبھی معتقد ہیں لیکن نہ تو ناسخ نہ ذوق وغالب اور نہ ہی آتش ان کے تتبع میں کامیاب ہو سکے بلکہ اثر نے سودا کی غزل گوئی پر بھی میر تقی میر کی غزل سرائی کی بالادستی تسلیم کی ہے۔بہر حال میر شناسی کے باب میں امداد امام اثر کی خدمات آب زر سے لکھنے کے لائق ہے کہ انھوں نے جو کچھ لکھا چھانٹ پھٹک کر اور مستحکم بنیادوں پر رقم کیا جس کے سبب میر شناسی کے ضمن میں اثر کی خدمات سے انکار ممکن نہیں ہے۔

❁❁❁

کتابیات

(۱) کاشف الحقائق معروف بہ بہارستان سخن، مصنف: سید امداد امام اثر، مطبوعہ: ترقی اردو بیورنئی دہلی ۱۹۸۲ء

(۲) کاشف الحقائق ایک مطالعہ، مصنف: پروفیسر وہاب اشرفی، مطبوعہ: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی، ۱۹۹۴

(۳) دیوان میر، نسخہ محمود آباد ۱۲۰۳ھ بحیات میر، مرتبہ: ڈاکٹر اکبر حیدری، مطبوعہ، جموں اینڈ کشمیر اکیڈیمی آف آرٹ اینڈ لنگویجز سری نگر ۱۹۷۳ء

(۴) کلیات میر، مطبع نول کشور لکھنو، ۱۹۴۱ء

(۵) اردو غزل، مصنف: ڈاکٹر یوسف حسین خاں، مطبوعہ معارف پریس اعظم گڑھ ۱۹۷۴

(۶) بحر الفصاحت: مولوی نجم الغنی رامپوری، مطبوعہ راجا رام کمار بک ڈپو وارث نول کشور بک ڈپو لکھنو، ۱۹۵۷ء

(۷) گل دستۂ امانت: امانت لکھنوی، ناشر: منشی نول کشور لکھنؤ، ۱۸۸۷ء

(۸) تذکرہ خوش معرکہ زیبا، مصنف: سعادت خاں ناصر، مطبوعہ: مجلس ترقی ادب، لاہور ۱۹۷۲ء